ڈاکٹر سید عبداللہ

پیدائش: ۵/اپریل ۱۹۰۶ء

وفات: ۱۴/اگست ۱۹۸۶ء

ڈاکٹر سید عبداللہ ضلع مانسہرہ کے گاؤں منگلور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ قرآنِ مجید کے ساتھ اردو کی درسی کتب، حساب، خوش خطی، ابتدائی فارسی اور خطوط نویسی کی تعلیم گھر پر پائی۔ پھر مقامی سکول میں داخلہ لے کر مڈل پاس کیا۔ ۱۹۲۳ء میں میٹرک کا امتحان انھوں نے اسلامیہ ہائی سکول لاہور سے پاس کیا۔ ۱۹۲۴ء میں ایف اے اور ۱۹۲۶ء میں بی اے کرنے کے بعد ۱۹۲۷ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے ایم اے فارسی کیا۔ یہاں انھوں نے پروفیسر حافظ محمود شیرانی، قاضی فضلِ حق اور پروفیسر اسمٰعیل جیسے اساتذہ سے فیض پایا۔ ۱۹۳۲ء میں ایم اے عربی کا امتحان بھی امتیاز سے پاس کیا۔ ۱۹۳۲ء میں ہی جرمن سرٹیفکیٹ اور ۱۹۳۴ء میں لائبریری سرٹیفکیٹ کے امتحان پاس کیے۔ سید عبداللہ پنجاب یونیورسٹی میں عربک اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۹۳۸ء میں ان کی تقرری اورینٹل کالج لاہور میں استاد کی حیثیت سے ہوئی۔ ۱۹۴۰ء میں وہ شعبۂ اردو میں منتقل ہوگئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۵۲ء میں اسی شعبے میں پروفیسر اور پھر صدرِ شعبہ مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں یونیورسٹی اورینٹل کالج میں پرنسپل کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ انھیں اردو سے بے پناہ لگاؤ تھا اور وہ دن رات، بلکہ آخری سانس تک اردو کے نفاذ کے لیے کوشاں رہے۔ ۹/مارچ ۱۹۸۶ء کو شعبۂ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اپنے دفتر میں کام کر رہے تھے کہ ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ کئی ماہ اس مرض میں مبتلا رہنے کے بعد آخر یہ نامور استاد، ادیب، صحافی، عالم اور محسنِ اردو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

تصانیف: نقدِ میر، سر سید اور ان کے رفقا، وجہی سے عبدالحق تک، مباحث اور اشاراتِ تنقید وغیرہ۔

ڈاکٹر سید عبداللہ

پاکستانی قومیت کا مسئلہ

پاکستانی قومیت ابھی تک کچھ بوجھ بجھارت قسم کی چیز ہے جس کی پہیلی بوجھنے اور اس کو سمجھانے کے لیے ہمارے مقرروں اور محرروں کو چودہ برس گزر جانے کے بعد بھی شب و روز مصروف رہنا پڑتا ہے، حالانکہ قومیت کا یہ سوال ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی حل ہو چکا تھا اور پاکستانیوں کی الگ قومیت کی دلیل اتنی محکم اور اتنی واضح تھی کہ انگریزوں اور ہندوؤں کی کوئی حجت بازی اس کے سامنے کھڑی نہ رہ سکی تھی اور یہ ماننا ہی پڑا تھا کہ پاکستان کے لیے جدا قومیت کا جو سوال اٹھایا جاتا ہے وہ سو فی صد واضح اور قطعی چیز ہے اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہٰذا یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ پاکستانی قومیت کی اب پھر تعریف پوچھی جانے لگی ہے، گویا کہ قوم کو ابھی خود بھی معلوم نہیں کہ ہم قوم بھی ہیں یا نہیں اور اگر ہیں، تو پھر ہماری قومیت کا ہمارے پاس ثبوت کیا ہے؟

اگر تحریکِ پاکستان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے، تو ایک بات اس کی ہر منزل پر صاف صاف اُبھری ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ یہ تحریک مسلمانانِ ہندوستان کی متفقہ تحریک تھی، جو اس لیے اٹھائی گئی تھی کہ مسلمانوں کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ مشترکہ ہندوستان میں ان کی روایات، ان کی زبان اور ان کے مخصوص طرزِ زندگی کے زندہ رہنے کے امکانات کم ہوں گے اور انھیں یہ ڈر تھا کہ کسی مشترک نظام میں ان کی ساری تہذیبی ہستی مٹ جائے گی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان اپنی تہذیب اور زندگی کے اس نقطۂ نظر کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے، جس کی بنیاد دینِ اسلام پر قائم تھی۔ گویا مسلمانانِ ہندوستان اپنی ہزار سالہ تہذیبی وراثتوں کو مشترکہ نظام کے خطروں سے بچانے کے لیے مضطرب تھے۔

اس سے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ پاکستانی قومیت سب سے پہلے تو ان عقیدوں سے عبارت ہے، جن کا مرکزی نکتہ، اسلام اور اس کا دیا ہوا تصورِ حیات اور نظامِ زندگی ہے، پھر اسی کے پہلو بہ پہلو، ان تہذیبی

کی گنجائش نہ تھی!
وراثتوں کے تحفظ کا عقیدہ بھی ہے، جن کو ہندوستان کی متحدہ قومیت میں محفوظ کرنے یا ترقی دینے
یہ تو رہے مرکزی عقیدے اب ان کے ہمراہ پاکستانی قومیت کے جغرافیائی تقاضوں اور حدوں کا جائزہ
لینا بھی ضروری ہے، کیونکہ قومیت کی ایک مسلمہ بنیاد کوئی خطہ یا وطن بھی ہے۔ اگر قومیت کے مسئلے کو ایک تشبیہ کی
صورت میں سمجھانا ہو، تو ہم یہ کہیں گے کہ قومیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ جس طرح کسی پھل یا پھول کا
ظاہر بھی ہوتا ہے اور باطن بھی اور وہ پھل یا پھول ان دونوں کے مجموعے سے بنتا ہے، اس قیاس پر پاکستانی قومیت
کی روح یا اس کا باطن تو وہ تخیل ہے، جو اس کی تعمیر کا محرک ہوا، مگر اس کا بدن بھی ہے اور وہ خطہ یا ملک ہے، جس کی
جغرافیائی حدیں مقرر ہیں اور اب اس کا نام پاکستان ہے۔

اس تشبیہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ پاکستان کی روح، یعنی اس کا تخیل تبھی زندہ رہ سکتا ہے، جب روح
کے ساتھ بدن کی بھی حفاظت کی جائے۔ اسی طرح اس کا بدن تب ہی صحیح معنوں میں ایک زندہ ہستی بن سکے گا،
جب اس کے اندر کی روح سالم اور برقرار رہے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح پاکستانی قومیت کے مرکزی
عقیدے یعنی (اسلامی تخیّل) کو محکم بنانا اور محفوظ رکھنا لازمی ہے، اُس طرح اس تخیل کو اس کے جغرافیائی تخیل سے
وابستہ رکھنا بھی لازمی ہے، اس لحاظ سے پاکستانی قومیت کا دوسرا بڑا عنصر وطن یا وطنیت ہے۔

اس منزل پر پہنچ کر دو سوال ہمارے سامنے آتے ہیں، جو بعض اوقات بڑے پریشان کُن ثابت ہوتے
ہیں۔ ایک سوال تو یہ ہے کہ جب اسلام میں جیسا کہ اقبال نے کہا ہے: وطن پرستی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا تو
پھر قومیت کے جغرافیائی تخیل کو ہم اسلامی تخیل کے ساتھ ساتھ کس طرح اپنا سکتے ہیں؟ دوسرا شوشہ یہ چھوڑا جاتا ہے
کہ جب پاکستانی قومیت کا مرکزی عقیدہ اسلام ہے اور اس قومیت کے محرک مسلمان ہی ہیں تو اس صورت
میں غیر مسلموں کے لیے پاکستان میں رہنے اور اُس میں ایک وفادار شہری بننے کی مجبوری کیوں؟

میرے خیال میں یہ دونوں سوال جتنے پریشان کُن ہیں، ان سے زیادہ گمراہ کُن ہیں۔ یہ تو معلوم ہے کہ
ہر زندہ قومیت میں جغرافیے کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے، بلکہ یوں کہیے کہ اس میں قومیت کا اولین ظاہری نشان
اس کا جغرافیہ ہی ہوتا ہے، اگرچہ اس کا اصل محرک اس کا اندرونی عقیدہ یا Myth یا تخیل ہی ہوتا ہے مگر کوئی قوم صحیح

اسلام کا مرکزی جغرافیہ جزیرۃ العرب
معنوں میں قوم تب ہی بنتی ہے جب اس کی جغرافیائی حدیں بھی موجود ہوں۔
ہی تھا، پھر جب اسلام باقی ملکوں میں پھیلا، تو اس کی جغرافیائی حدیں بھی وسیع ہوتی گئیں۔ یہ صحیح ہے کہ اصل محرک
ہر حالت میں عقیدہ ہی تھا، مگر عقیدہ، جغرافیے کو بھی اپنی لپیٹ میں لیتا گیا۔ چنانچہ عام مسلمانوں کے تصور میں اب بھی
اسلام اور خدا کی زمین کی بادشاہت لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔ مسلمانوں کا کوئی گروہ بے مملکت بھی ہو سکتا ہے، مگر بے
مملکت مسلمان، یا محکوم ہوں گے، یا بکھرے ہوئے افراد ہوں گے، ان پر قوم یا زندہ قوم کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اسلامی
اجتماعیت کا اولین تصور جغرافیائی مملکت سے وابستہ ہے۔ اسلام محض آسمانی یا روحانی مملکت کا قائل نہیں، وہ اپنے
عقیدے کے نفاذ کے لیے ایک ملک کا طالب ہے اور اسی کو عرفِ عام میں وطن کہتے ہیں۔
اسلامیت اور وطنیت میں کوئی تضاد نہیں، بلکہ اسلامیت کی تکمیل وطنیت سے ہوتی ہے۔ وطن اور مملکت
کے بغیر اسلام محض خیالی چیز اور ایک طرح کی رہبانیت بن جاتی ہے۔

علامہ اقبال نے جس وطنیت کی مخالفت کی ہے، وہ یورپ کی وطنیت (Nationalism) ہے جس کی
ایک مخصوص اور طویل تاریخ ہے اور ایک لحاظ سے یہی وطنیت، انسانیت کے لیے بے شمار مصائب کا سرچشمہ رہی
ہے اور اب تک ہے۔ علامہ اقبال اسی کے مخالف تھے اور بجا طور پر مخالف تھے، مگر ان کے افکار میں جغرافیائی
مملکت کی مخالفت کا سراغ کہیں بھی موجود نہیں۔ ان کے نظامِ فکر میں جس طرح کوئی مملکت نظامِ عقائد کے بغیر،
بربریت اور بدتہذیبی ہے، اسی طرح کوئی نظامِ عقائد، بے مملکت، رہبانیت سے کم نہیں اور یہ چیز اسلام کے عملی تصو
رات کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے ''پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق'' اور ''جاوید نامہ'' میں ایشیائی
مملکتوں کو زیادہ قوی بنانے کی تلقین کی ہے۔

معلوم نہیں کس نے بے خیالی میں یہ بے پَر کی اڑا دی تھی کہ اقبال سرے سے وطنیت کے مخالف تھے۔
اقبال، عقائد اور وطن کی وحدت میں گہرا عقیدہ رکھتے تھے اور وہ وطن کے صرف اُس تصور کے مخالف تھے
کہ جس کی بنیاد، مغرب نے چھوٹے چھوٹے نسلی تعصّبات اور مادہ پرستی کی تفریق پر قائم کی تھی اور جس سے نسلی
قومیت اُبھری۔ پھر یہ چھوٹی چھوٹی نسلی اقوام ایک دوسرے سے لڑنے بھڑنے لگیں اور Militarism کی وہ

شکل پیدا ہوئی جس کے باعث دنیا میں دو خوفناک جنگیں ہوئیں اور انسانیت کے لیے بڑے بڑے مصائب کا سرچشمہ ثابت ہوئیں۔

بعض لوگ بددیانتی سے یا سادگی سے، پاکستان میں حُب الوطنی کے پردے میں علاقہ پرستی کی تحریک چلا رہے ہیں، مگر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ علاقہ پرستی اور وطنیت میں بڑا فرق ہے۔ یوں عام حالات میں کسی شخص کا کسی خاص علاقے سے محبت رکھنا یا اس کے متعلق اچھے جذبات رکھنا بالکل فطری امر ہے مگر اس علاقائی محبت کا وطن کے وسیع مفادات سے ٹکراؤ نہیں ہونا چاہیے ورنہ علاقہ پرستی ایک ایسا مرض ثابت ہوسکتا ہے، جو وطنِ عزیز کی ہستی کے لیے خطرناک ہوگا۔ اس قسم کی علاقہ پرستی کو میں پاکستانی قومیت کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتا ہوں جس میں کوئی شخص قومی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والی علاقائی وفاداریوں کا اتنا پابند اور عادی ہو جائے کہ خطے پر قوم ہی کو قربان کردے۔

پاکستان میں بہت سی نسلیں آباد ہیں اور بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان نسلی گروہوں میں بہت سی خوبیاں ہیں اور ان زبانوں کے ادب میں ہمارے لیے بہت سا قابلِ قدر سرمایۂ فکر و تہذیب موجود ہے، مگر ملکی قومیت ہر خطے کے لوگوں سے یہ قربانی مانگتی ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کو خطے کی خدمت کرتے وقت بھی وسیع تر قومی نقطۂ نظر کے تابع رکھیں ورنہ ڈر ہے کہ کسی کمزوری کے وقت یا کسی غیر ملکی سازش یا عقیدے سے متاثر ہو کر یہ خطہ پرستی پاکستان کے شیرازے کو منتشر کر کے اس کی وحدت کو بالکل مٹا ہی نہ دے۔ یہاں بہت سے لوگ مقامی زبانوں کی محبت کا واسطہ دے کر خطے کا تعصب اُبھار رہے ہیں۔ ہم میں سے بہت سے لوگ اس کو ایک معصوم سی تحریک سمجھتے ہیں مگر ہر ذی فہم آدمی کو معلوم ہے کہ پاکستان کے بعض خطوں کی لسانی تحریک دراصل نسلی تحریک ہے اور اس کے پیچھے زبان کی ترقی کا جذبہ اتنا نہیں جتنا علاقائی ریاستوں کا وہ خواب ہے جو ہمارے ملک کے بعض کم فہم بھائیوں کے دل و دماغ میں، ان کی بدبختی کے زیرِ اثر سمایا ہوا ہے۔ لہٰذا میں اپنی دانست میں علاقائی زبانوں کی تحریک کو شُبے کی نظر سے دیکھتا ہوں اور اکثر یہ درخواست کرتا رہتا ہوں کہ حکومت، ملک کی وحدت قومیت کی خاطر اس لسانی تعصب کو پھیلنے سے روکے اور مقامی زبانوں کی ترقی کے ہر منصوبے کے پس پردہ محرکات کا بھی جائزہ لیتی رہے۔

میں پاکستان میں علاقائیت کا اس لیے بھی مخالف ہوں کہ پاکستان کے قیام کے وقت اس علاقائیت کا کوئی سوال نہ تھا۔ پاکستان قبیلوں اور علاقوں کی اساس پر قائم نہیں ہوا ہے، وہ تو اس تاریخی حقیقت پر قائم ہوا ہے کہ مسلمانانِ ہندوستان کو صرف پٹھان، یا پنجابی، یا سندھی، یا بنگالی، یا بلوچ کی حیثیت سے نہیں، بلکہ مجموعی طور پر اپنی تہذیبی وحدت، مشترکہ روایات اور دین و مذہب کو برقرار و محفوظ رکھنا ہے، اسی طرح قیامِ پاکستان کے وقت پنجابی، پشتو، سندھی وغیرہ کے تحفظ کا کوئی سوال نہ تھا، بلکہ سارا سوال یہ تھا کہ مشترکہ ہندوستان میں مسلمانانِ ہند کی تہذیبی زبان کو سخت خطرہ ہے، اس کو بچایا جائے۔

میں پاکستان کی سب اقوام کا مداح و معترف ہوں۔ اسی طرح میں پاکستان کی ہر زبان کی ترقی کا خواہاں ہوں اور ہر زبان کے فروغ کے لیے کوشاں بھی ہوں، مگر یہ سب اس شرط پر کہ ہر علاقے کی خوشحالی مجموعی قومی خوشحالی میں اور ہر خطے کی زبان ملک کی مسلّمہ قومی وحدت میں کوئی خلل نہ ڈالے، بلکہ سب اپنے انفرادی رنگوں کے باوجود ملک کی وحدت کو مستحکم کرنے میں پورا پورا اشتراک کریں۔ یہ ان تاریخی حقائق کا تقاضا ہے، جن کے زیرِ اثر ایک الگ ملک کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا تھا۔

اب رہا یہ سوال کہ جب یہ ملک مسلمانوں کا حاصل کردہ ہے اور انھی کے نظریے کی خاطر بنا ہے تو پھر اس میں غیر مسلموں کا کیا مقام ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وطن ہونے کے لحاظ سے پاکستان مسلموں اور غیر مسلموں کا مشترک وطن ہے اور وطن کے اشتراک کا دوسرا مطلب ماسوا اس کے کچھ نہیں کہ اس میں دنیاوی لحاظ سے مسلم اور غیر مسلم شہری کے حقوق مساوی ہوں گے اور مذہب کے فرق سے ان کے حقوقِ شہریت، امن و آسائش اور حقوق و اختیارات میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ اسلام میں یوں بھی عبادت اور مذہبی آزادی کا اصول ایک مُسلّم اصول ہے، لہٰذا غیر مسلموں کو بھی اپنے وطن کی قومیت سے گہری محبت ہوسکتی ہے اور ہونی چاہیے۔

پاکستانی قومیت اور وحدت کے لیے اسلام اور ان تاریخی احساسات کو زندہ رکھنا لازم ہے جن سے یہ ملک ظہور میں آیا۔ خدا نے ہمیں جو جغرافیہ عطا فرمایا اور اس کو یکجا رکھنے کے لیے اسلامی جذبہ بہت قیمتی چیز ہے۔ اس کے علاوہ اردو زبان بھی یک جہتی اور یگانگت کا بہت بڑا وسیلہ ہے۔

(مباحث)